کمال احمد صدیقی کی آزاد
نظموں میں روانی اور دلکشی
کے ساتھ ساتھ بلند خیالی بھی
ھے انکی آزاد نظموں میں
جو موسیقیت مجھے دکھائی دی
وہ بہت کم آزاد نظم نگاروں کے
حصے میں آئی ھے

—— سید احتشام حسین

۳۱ ح ۸۹۱۶
ک ۱۲۷ ب

بادبان

اور

دوسری نظمیں

[illegible]

کمال احمد صدیقی

ہمارا ادارہ

Allama Iqbal Library
19225

ملنے کے پتے

(۱) حلقۂ اربابِ ذوق، لال باغ، لکھنؤ

(۲) "ہمارا ادارہ" لکھنؤ

(۳) مکتبۂ ساقی، کراچی ۵

(۴) کتابی دنیا، لکھنؤ

ST 01
Ro.
J & K KASHMIR UNIVERSITY LIBRARY
No. 19225
Date 30. XI. 60.
SRINAGAR
ST/8

تعداد اشاعت ۱۰۰۰ قیمت عہ

مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ
پرنٹر و پبلشر کمال صدیقی

سیّد رفیق حسین (مرحوم)

اور

شاہد احمد دہلوی

کے نام

(۱۹۴۹) [illegible]

[illegible]

[illegible]

والد

بادبان

سمندروں کی نیلگوں فضائے آب میں بھی رقص
کرچکا ہوں بارہا!
مرے لیے کوئی اُفق --- یہ آسماں کی وسعتیں بھی اجنبی
نہیں
میں ان میں سیکڑوں ہزاروں زندگی کے گیت آتشیں

دھنوں میں گا چکا!

کسی کو ڈھونڈھ ہی رہا تھا ___ کون جانے کس کو ڈھونڈھتا
تھا میں۔؟

(ہزار بار ڈھونڈھتا رہا ہوں جس کو موسموں کے مدّوجزر میں
مگر نہ پا سکا؟)

ستارے ڈوبنے لگے اور آندھیوں کی شدّتیں حباب
بن کے رہ گئیں!

کسی کو ڈھونڈھ ہی رہا تھا میں سحر کی نرم نرم، شبنمیں
فضاؤں میں

کہ آپ ہم آ گئیں ، اور آ کے چھا گئیں سمندر اور آسماں
کی بے کراں خلاؤں میں
ہزاروں داستانیں بحرِ نیلگوں کی چشمِ ناز میں لیے ہوئے ،
ہزاروں مہر و ماہ کی تجلّیوں کا جسم آئینہ بنا ہوا ۔۔!!

میں سوچ ہی رہا تھا لہر میں نبضِ کائنات تو نہیں ،
کہ ایک لہر اُٹھی جس کی برہمی کے سامنے مری تمام قوّتیں
حباب بن کے رہ گئیں !
کنارِ آب ایک پل میں دیکھتے ہی دیکھتے میں بکھر پڑا ہوا
تھا ریت پر

مرے بدن کی ریت کا ہر ایک ذرہ ایک آئینہ تھا، اور جانے
کتنے آفتاب جگمگا رہے تھے میرے جسم پر!

* * *

یہ میرا جسم خاک و خوں کا امتزاج ہی سہی،
ہزار میں گناہ گار ہوں تو کیا،
یہ زلزلے، یہ آندھیاں، یہ برق و آتش و شرر مرے مزاج ہی سہی،
مگر سکون پا کے جب بھی شادماں ہوا ہوں، گنگنا اٹھا ہوں، مسکرا
دیا ہوں میں
مرے اس آہنی عمل کے آستاں پہ آسماں کی جنّتیں بھی سجدہ ریز
ہو گئیں!!

مگر بہت ہی دور آچکے ہیں ساحلوں کو چھوڑ کر!
اگر نہیں ہیں ناریل کے سائے سطحِ آب پر تو کیا ہوا؟
ہوائیں تیز ہیں تو کیا؟ یہ ابر ہیں شعلہ ریز ہیں تو کیا؛ اٹھاؤ
لنگر اور بادبان کھول دو
میں جانتا ہوں، خوب جانتا ہوں، ایک کائنات اور بھی ہے
ماورائے کائنات!

برس رہا ہے امرت آسماں سے چاندنی کے روپ میں‘
زمیں، زمیں کی کائنات کے لیے نمو ہے دھوپ میں‘
مگر یہ برگ، یہ ثمر، یہ گلستاں بغیر رنگ کے تو کچھ نہیں!!

ستارے ڈوبنے لگے تو کیا؟ — یہ لہریں شعلہ ریز ہیں تو کیا
اٹھو — اور اُٹھ کے کشتیوں کے بادبان کھول دو
یہ کون کہتا ہے کہ لہروں کا خدا کوئی نہیں؟
یہ لہریں خوب جانتی ہیں ساحلوں کا راستہ — !!!

(ساقی)

سنہ ۴۶ء — منتخب نظمیں

”وہ محل —— وہ پائیں باغ“

وہ محل، وہ پائیں باغ!
کتنے رنگوں کا لطیف اک امتزاج؟
ختم ہے آرائشوں پر اہتمام!
نور کا سرچشمہ اجسام جواں کی دل رُبائی کی چراغ،

اور مسرت جن کی ادنیٰ سی شعاع
ڈھونڈھتی پھرتی ہے جس کو زندگی
کوچہ و بازار کی تاریکیوں میں صبح و شام ــــ!!
نغمہ و لَے، رقص کی پرچھائیاں، ہنگامۂ مینا و جام ــــ
کتنے گم کردہ ہیں ان رنگیں فضاؤں کے مزاج؟
ــــ وہ محل، وہ پائیں باغ،
جن میں ہر شب ہی شبِ ماہِ تمام! ــــ
ذہن کی اک اختراع؟
کچھ سہی، ــــ
ان نفس گاہوں سے بڑھ کر روشن و تابندہ ہیں ــــ!!

میں تھکا ہارا، پریشاں حال، کمزور و نحیف و ناتواں!
کارواں سالار لیکن منزلیں پامال کرتا جا رہا ہی — اور ٹھہرتا ہی نہیں!!
کسقدر منحوس ہی تپتی ہوئی یہ شاہراہ؟
جو مسافر اس سے گذرا، جیتے جی منزل نہ مل پائی اُسے!
—— اک ذرا شہ راہ سے ہٹ کر ہیں وہ پگڈنڈیاں،
لہلہاتے سبز کھیتوں میں سُبک اور صندلی انگڑائیاں،
سیمیں لہریں جس طرح بحرِ زمرّد میں اٹھیں، اُٹھکر مجسّم ہو گئیں!

* * *

بالیوں کے ریشمیں پردوں ہی میں روپوش ہیں گیہوں کی کم سن

نوجواں رعنائیاں!

کر رہی ہے جن سے ہر موجِ ہوا اٹھکیلیاں،
ہو رہی ہیں جانے کیا سرگوشیاں؟ ———
اور کھیتوں سے پرے ———
وہ ندی کی سیڑھیاں!
کتنی رادھاؤں کا جھُرمٹ ہے وہاں؟ ———

آم کے باغات، امرودوں کے جھُنڈ
میری قسمت میں کہاں؟

یہ دھواں ———

شعلے اور چنگاریاں !

یہ گرج، آپس میں ٹکراتے ہوں جیسے دو پہاڑ،

ان سے اب عاجز ہیں احساس و نظر ——!!

* * *

کسقدر ہموار ہے یوں دیکھنے میں شاہراہ ؟

کھا رہا ہوں ٹھوکروں پہ ٹھوکریں !

راستہ میں جب کوئی منزل ملی

کارواں سالار چیخ اُٹھا کہ اک منزل ہے آگے اور ابھی !!

* * *

آج بھی بکھرے پڑے ہیں کتنے نظّارے کہاں ——

ایسے نظّارے، جو دے سکتے ہیں نظروں کو پناہ!

ہائے لیکن وہ محل — وہ پائیں باغ —

اب تو ہے ان کا تخیّل بھی فرار — !!!

(ساقی)

مجاز کے نام!

"ساغرِ واژگوں"

یہ چہرے جو دیکھے نہیں خواب میں بھی کبھی ـــ ان کو پہچانتا ہوں
میں سب کے لیے اجنبی، سب مرے واسطے اجنبی ـــ سب کو میں جانتا ہوں!

* * *

یہ نظریں! ـــ کہ کہتی ہیں افکار و آلام سے کوئی رشتہ نہیں ہے

یہ لمحے! — یہ احساسِ رومانِ ہستی

یہ مستی!

یہ رفعت! — یہ اوجِ مئے ناب، جس کے لیے ہے تباہی بلندی نہ پستی
یہ ماحولِ زرّیں! — کہ کاغذ کے پھولوں میں ہے وہ سنہری چمک وہ
روپہلی کشش، تتلیوں کے گرانبار رنگوں
کی قیمت ہے سستی!!

— یہ نظریں، یہ لمحے، یہ رفعت، یہ ماحولِ زرّیں، یہ مستی!،
یہ پردے وہی حسرتیں چاہتے ہیں چھپانا جو سسک کر تبسّم میں دم توڑتی ہیں،
کہ جس طرح لہریں خود اپنے تلاطم میں دم توڑتی ہیں۔ ۔!!

وہ گلرنگ شامیں — جو بھرتی ہیں رنگ اب بھی جھلسے ہوئے دن کی بیزاریوں میں

وہ گلبار صبحیں — کہ جن سے فروزاں ہیں بے خواب راتیں

وہ یادیں — کہ میری نگاہیں ہر اک رات جن کے لیے ماہ و انجم ہیں

دم توڑتی ہیں!

مگر زندگی؟ — زندگی کے لیے زندگی رقص و نغمہ کے رنگیں اشاروں پہ

قرباں کرنا تو مشکل نہیں ہے

بہکنا — مئے ناب میں غرق ہو کر اسی ساحلِ گم شدہ پر ابھرنا تو

مشکل نہیں ہے،

مئے ناب کی ہے ہر اک موج طوفاں بداماں، مگر ساحلِ گم شدہ کے

قدم چومتی ہے!

وہ ساحل، وہ ساحل کے رنگیں نظارے

جنھیں دیکھنے کو مسافر کی ہر اک نظر ڈوبتے ڈوبتے بھی بھنور بن کے

منجدھار میں گھومتی ہے!

—— وہ زہرہ، وہ انجم، وہ پروین ——

چمکتے ہیں ساحل پہ کتنے ستارے؟

وہ نرگس، وہ نسرین ——

نہ جانے ہیں کتنی ہی نوخیز کلیاں کہ جن کے تبسم کیے جا رہے ہیں

اشارے!

ہزاروں ہی کلیاں، ہزاروں ستارے —— کہ ہے ڈوبتے وقت

بھی ذہن حیراں کہ کس کو پکارے!؟

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 19225

صفِ جام و مینا سے ہوتا ہوا، رقص کرتا یہ کون آ رہا ہے؟
وہی یاسمیں ہے!
وہی جو کبھی زندگی ہے، کبھی زندگی کی تمنا، کبھی زندگی کا تقاضہ
وہی مہ جبیں ہے!؟
— فرازِ تخیّل تو کیا، جو کبھی دل کی گہرائیوں میں بھی خاموش رہتی
نہیں ہے!

* * *

اسی زہر آگیں تصوّر کی سوگند لیکن جو اس جامِ رنگیں سے ٹکرا رہا ہو
حقیقت تو رنگین پردوں میں رُوپوش رہتی نہیں ہے،

حقیقت متاعِ فریبِ تخیّل نہیں ہے!

— یہی یاسمیں، جو چھلکی آ رہی ہے، مرے جام کا ایک عکسِ حسیں ہے!
— اسی عکس سے کھیلتے کھیلتے میں نے سوچا ہے اکثر کہ دنیا ہے پرتو
اسی ساغرِ واژگوں کا
کہ جس میں وہ ساحر خود اپنا تخیّل فنا کر رہا ہے!
یہ دنیا ہے عالم اسی کے جنوں کا
جو میری طرح اپنے زخموں میں خود بجلیاں بھر رہا ہے!
وہ رنگوں کا ساحر خدا ہے؟ — تو میں بھی ہوں فن کار، میں بھی
خدا ہوں!!

کبھی اس کی تنہائیوں پر ترس آتا ہے --- اور کبھی سوچتا ہوں
کہ اپنا چھلکتا ہوا جام ایسے اچھالوں کہ وہ ساغرِ واژگوں ٹوٹ جائے،
تخیل کا رنگیں فسوں ٹوٹ جائے ___ !!!

"رات ناچنے لگی"

یہ آتشیں ہوائیں بھی شگفتگی کو جذب کر کے آئی ہیں

مہیب و تیرہ قید خانہ کے سیاہ در کلی کی طرح کھل گئے

مناظرِ حیات آفرین و حسن خیز،

مناظرِ سحر فروز،

جو مدتیں ہوئیں بچھڑ گئے تھے ـــ پھر نظر کو مِل گئے!

* * *

ہوائیں گنگنا اٹھیں

فضائیں جگمگا اٹھیں

زمین و آسماں کی کائنات ناچنے لگی

حیات ناچنے لگی

حصارِ نورِ ماہتاب و کہکشاں میں رات ناچنے لگی!

* * *

فروغِ کامرانیٔ نظر کی شہ جو پائی تو خیال بھی نشاطِ رنگ سے

اشارے مانگنے لگے

فرازِ آسمان زندگی سے چاند مانگنے لگے، تارے مانگے لگے

قدم حدودِ سنگ و خشت و آہن و سلاسلِ قیود سے ہمارے

مانگنے لگے !

* * *

میں سوتے سوتے جاگ اٹھا،

کوئی جگانے آیا تھا

کوئی جگانے آئے گا

سحر تو ہونے دو ذرا — !؟

(ضیا دور)

"پرچھائیں"

رفیقِ ہنگامِ تشنہ کامی و کس مپرسی سوائے نانِ شبینہ کے اور کوئی
تمنّا بھی کی ہے میں نے؟
غم و خوشی کے ہزار لمحے خود اپنی سانسوں کے آسرے پر گذار ڈالے،
اگر کبھی فرصتِ تخیّل سکوں نے بخشی تو خواب دیکھے،

مگر میں جب چونک کر اُٹھا ہوں تو اپنی گم ہیگی کی سوگند خود کو دھوکہ
نہیں دیا ہے!

فریبِ تخیلِ بیکراں کو فریب سمجھا حسین خوابوں کو خواب جانا
مگر گوارا کیا ہے میں نے

مسرت انگیز بیخودی کے سکون کو بھی فراغتِ اضطراب جانا
مگر گوارا کیا ہے میں نے

بہت ہی مجبور ہو گیا ہوں تو زندگی کو کبھی اشارہ کیا ہے میں نے
مگر وہی زندگی کہ جس کا تصورِ جنت و جہنم سے کوئی ربطِ جنوں
نہیں ہے!!

وہ بے ارادہ ہی، مگر میں شباب کی دھڑکنوں کو اگر پکار لیتا ہوں

نام لے کر!

اگر کبھی فرصتِ تخیّل سکوں نے بخشی تو خواب دیکھے

"وہ غنچۂ نو شناسِ گلشن، کہ ذرّہ ذرّہ لیے ہوئے قطرہ ہائے شبنم کے

آئینے عکس اپنے دل پر اُتارتا ہے!

"وہ اک ترنّم کہ بھیرویں میں کنول کی پنکھڑیاں خنک ہواؤں پہ نرم لہریں

یہ چھیڑتی ہیں —!

"وہ اک تبسّم کہ جس کی دوشیزگی جاوید کو نشاطِ چشمِ غزال و رنگِ شباب

مستیٔ روئے خوباں سنوارتے ہیں!

"وہ ایک ساغر کہ جس سے تسنیم کی لطافت چھلک رہی ہے

”وہ کہکشاں جس پر کاروانِ فضائے تخیل رقص کرتا گزر رہا ہے !!“

—— جوان مرگ آرزوئیں معصومیت و تقدیس کے کفن سے نکل کے

اپنی برہنگی کی شگفتگی میں فریبِ تسکیں ہزارہا بار کھا چکی ہیں،

حیات کی ایک ایک تلخی خود اپنے بہروپ کے سرابوں میں پیاس

اپنی بجھا چکی ہے !!

* * *

تصرفِ زندگی کے عرصہ میں فرصتِ چشم و لب کہاں ہے؟

میں خود بھی اپنی شکستہ پا حسرتوں سے نا آشنا رہا ہوں ——!!!

(نیا دور)

"واپسی"

یہ جھاڑیاں —— برہنہ جھاڑیاں، کہ جن میں کلیاں، کونپلیں، نہ پتّیاں
نہ پھول ہیں!
بِسک رہی ہے ان پہ سرد چاندنی تپاک وانہماک سے!
یہ انہماک بھی عجیب ہے

کہ جیسے کوئی روتے روتے وجہِ گریہ بھول جائے !!

زمیں پر پڑی ہوئی خزاں رسیدہ پتّیاں کسی حسین عہد کے خیال میں
کچھ اس طرح سے کھو گئیں،
کہ ان پہ کتنی اوس پڑ گئی، انہیں خبر نہیں
— یہ پتّیاں! اور ان کا یہ سکوت بھی عجیب ہے !!

نمُو کا حوصلہ نہیں۔ کوئی پیام ہی نہیں۔ کہ قطرہ ہائے شبنم آج میں
وہ اشکاب جو تاروں سے نہ رُک سکے!
مگر یہ پتّوں کی بے حسی عجیب ہے

کہ ان میں کوئی جذبہ، کوئی لہر ہی نہ اُٹھ سکی !!

* * *

زمیں کا دل دھڑک رہا ہے آج بھی
یہ بات اور ہے کہ پتّیاں ہیں بے خبر — یہ جھاڑیاں نہ سن سکیں
مگر وہ ماہتاب جانتا ہے — یہ طلسم باہمی عجیب ہے !

* * *

ارے ! — یہ کیا ہوا ؟
یہ پتّیوں کا رقص ! — اور ہر اک شاخ جھُومنے لگی !
نہیں ! — یہ پتّیاں تو دانت پیستی ہیں، اور کانپتی ہیں ڈالیاں
یہ برہمی عجیب ہے !

زمیں کو طعنے دے رہی ہے خود اُسی کی کائنات ؟

زمیں! تیری زندگی عجیب ہے

کہ تو ہر ایک طعنہ سن رہی ہے، اور خموش ہے ۔۔۔ کہ جیسے تو ہی

کہرے، تیرگی، دھوئیں کی ذمّہ دار ہے؟

۔۔۔ یہ بے وقوف پتّیاں! ۔۔۔ اور ان کی ہچکیوں کی یہ شگفتگی

عجیب ہے !!

* * *

دھوئیں کو جذب کر لے! ۔۔۔ فطرتِ زمیں کے یہ خلاف ہے

سحر تو ہو، شعاعِ مہر تازیانہ بن کے آئے تو ذرا

یہ کہرہ آسماں کی سمت بھاگ جائے گا!

—— زمیں! تیری زندگی عجیب ہے!!

* * *

یہ پتّیاں، اور ان کے طعنے گرد بن ہی جائیں گے،

وہ گرد ــــ جو زمیں کی زندگی کا ایک جزو ہے!

یہ موت! ـــــ زندگی نواز دل لگی عجیب ہے ـــــ!!

* * *

تسلّی دے لی خود کو ماہتاب نے، اسی لئے تو چاندنی میں اُس تبسّم

خیال کی بھی لہے جھلک!

ابھی ابھی تو چند لمحے پیشتر سسک رہی تھی، اور مسکرا رہی ہے اب،

یہ چاندنی عجیب ہے!

ستارے کہہ رہے ہیں چاندنی کی مسکراہٹوں کو زہر خند — "یہ ہنسی
عجیب ہے!!"

* * *

مگر سنو تو ماہتاب کا ہے کیا خیال ؟ —
"نہیں ! — یہ راہبر نہیں، — کسی بھی عہد کو یہ راہ کیا دکھائیں گے ؟
"زمیں کے دل کی دھڑکنوں سے بے نیاز رہبری عجیب ہے !
"— انھیں تو اپنے ٹوٹنے کی بھی کوئی خبر نہیں !! —"

* * *

نسیم نو بہار تو کہاں ، کہ جم گئیں ہوا کی یخ سے ہڈیاں
برہنہ جھاڑیاں، گری ہوئی یہ پتّیاں — یہ بیوگی عجیب ہے

کہ آج بھی مری نظر میں پھوٹتی ہیں کونپلیں، وہ کھل رہے ہیں پھول،
اور جھاڑیوں پہ رقص کر رہا ہے وہ حسین عہد، وہ سہاگ!

* * *

ستارے چشم ہائے کور ہیں کہ جن میں دیکھنے کے نام پر ذرا بھی روشنی نہیں
ہر ایک جاگتی ہوئی نگاہ ان کو دیکھتی ہے" — ان کی روشنی عجیب ہے!
— مگر میں تجھ کو دیکھتا ہوں، گو یہاں سے دور — تو بہت ہی دور ہے،
یہاں تو تیرے سائے تک کا کوئی شائبہ، کوئی گمان ہی نہیں —!!

* * *

وہ کُرہ، جس میں نیند کی کنواری پریاں نذرِ خوابہائے نو نگار و نو شگفتہ
شباب لے کے آئی تھیں کبھی،

تری ہر ایک صبحِ آرزوئے نو کے واسطے مسرتِ شبینہ کا خیال لائی
تھیں کبھی ــــ!

ــــ وہ خواب گاہِ ناز! ــــ تو اسی میں بند رو رہی ہے آج رات؟
خموش ہچکیاں! ــــ یہ تیرا عالمِ خیال ــــ بیخودی ہو یا خودی،
عجیب ہے ــــ!!

* * *

جہان بھر کے طعنے، اور تو اکیلی! ــــ پھر بھی آنسوؤں سے فائدہ؟
یہ طعنے تو خزاں رسیدہ پتیاں ہیں جن کی پائمال آرزوئیں سرد
تیرگی میں چیختی ہیں، بس انھیں سوائے چیخنے کے اور کام ہی نہیں!
وہ پتیاں! ــــ تاروں کے بھی آنسو جن پہ کچھ اثر نہ کر سکیں ــــ!!

ـــــ تو آنسوؤں سے فائدہ؟ ان آنسوؤں کو پونچھ ڈال

خزاں رسیدہ پتّیوں کے واسطے یہ اذنِ خودکشی عجیب ہے!

یہ طعنے تیری زندگی کا جزو بن گئے تو کیا ہوا، کہ میں ابھی مرا نہیں،

میں اتنی دور سے بھی سن رہا ہوں تیرے دل کی دھڑکنیں!!

* * *

“سہاگ بھی نہ دیکھ پائی ـــــ اور بیوگی سے بھی خراب زندگی!

“یہ بے رُخی عجیب ہے

“یہ بے کسی، یہ بے بسی، یہ شاہکار زندگی ـــــ عذاب ہے،

وبال ہے،

“تمھاری دوستی عجیب ہے !”

سمجھ رہے ہیں میرے وعدوں کو فریب تیکر اشک؟

فریب کار، اور میں ؟؟ — نہیں ! نہیں !!

میں آگیا — نظر اُٹھا کے دیکھ تو — میں آگیا،

میں آگیا !!

دھوپ کی راہ میں کٹی ہوئی، سفر کی گرد میں اٹی ہوئی یہ زندگی

عجیب ہے -!!!

(نیا دور)

”تحریک“

یہ آئینہ! جی چاہتا ہے اٹھا کر پٹک دوں
کہ اپنا مذاق آپ اڑانے لگا ہوں!

* * *

اسی آئینہ کو کبھی میں نے بخشا تھا ہر نقشِ ہستی

مگر ایک بھی تو سرِ آئینہ آ نہ پایا
وہاں میرے کھڑے رہتے مرے عکس کا شائبہ تک نہیں تھا!
کبھی سوچ لیتا ہوں میں — کاش ایسا نہ ہوتا،
جو ایسا نہ ہوتا تو میری نگاہیں فریبِ بہارِ گل و نسترن میں سکوں
پا ہی جائیں!
مہ و مہر و انجم کے رنگیں مناظر نگاہوں کو میری بھٹکنے نہ دیتے!
ہر آئینہ ایک چہرے کو شکلیں بدلتے ہوئے دیکھنے کے عوض میں
کسی جھیل میں عکسِ قوسِ قزح دیکھ لیتا۔
خیالوں کی پُرخار وادی میں کیوں ٹھوکریں کھاتا پھرتا؟
کسی غیر آباد وادی کے جھرنے میں اک عالمِ زندگی مسکراتا ہوا،

گیت گاتا ہوا دیکھا ہیں!

بدلتے ہوئے منظروں کے بدلتے ہوئے رنگ میری نگاہوں سے سرگوشیاں
کرتے رہتے
جو اک دوسرے کو جگہ دے تو دیتے ہیں لیکن فنا جن کی قسمت نہیں ہے،
وہی رنگ جن کی ضرورت ہے میرے قلم کو، مرے شاہکاروں ـــــ
کو، جو صرف دھندلے سے خاکے ابھی ہیں!!

* * *

مگر کیا کروں میں کہ ہر بار جب آئینہ پر نظر ڈالتا ہوں
تغیّر کا احساس دھندلاتے سایوں میں اُڑتے ہوئے رنگ
کو گھورتا ہے!

بہاریں اگر راس آئیں ـــ تو کیسے ؟ ـــ کہ اپنی ہی ہستی کی
پائندگی کی ضمانت نہیں ہے!

یہ آئینہ جی چاہتا ہے اٹھا کر پٹک دوں
کہ جو نقش اس کو دئیے تھے کبھی، اس کے ٹکڑوں میں شاید نظر آ ہی جائیں!
جو میرے ہی ہم شکل گھوریں گے مجھ کو، تو کیا تاب میں لا سکوں گا، یہی

سوچتا ہوں

یہ ہم شکل چہرے! ـــ وجود ان کا وابستہ ہے خود مجھی سے!!

تلاشِ سکوں تو نہیں شغلِ آئینہ بینی

سکونِ دلِ مضطرب کے لئے قید کرنا پڑے گا نظر کو، تخیل کو،
بیزاریوں کو !

میں خاکے بناتا رہوں گا، تصاویر میں رنگ بھرتا رہوں گا،
کہ شاید کوئی ان میں شہ کار ہو جائے
کہ خالق تو فانی ہے، تخلیق فانی نہیں ہے !!!

ساقی

”شامِ اودھ“

جُھٹپٹے میں جو پہاڑی سی نظر آتی ہے

ایک ویران کھنڈر، — عظمتِ دیرینہ کا مدفن ہے یہی!

میرے آبا کی ہزیمت کا اک افسانہ کہے جاتا ہے!

یہ کھنڈر اپنی زبوں حالی پہ بھی راضی ہے،

پھر بھی میں اس کی زبوں حالی میں
اپنے اجداد کے اک عزمِ بغاوت کی جھلک دیکھتا ہوں ۔!!

میرے آقاؤں کی تہذیب کا دل
تاج کے سایۂ ناپاک میں منحوس عمارت ہی سہی!
نصفِ شب تک اسی ویرانے میں
جسم آزاد رہا کرتے تھے، جذبات بھی آزاد رہا کرتے تھے،
مے و مینا کی گلابی ہو کہ شادابیٔ حُسن،
میرے آقا یہاں ہر عیش سے سیراب ہوا کرتے تھے—!!

(۲)

آسماں، —

اور یہ بادل! —

یہ پُراسرار نیلاہٹ، —

یہ سفیدی، —
یہ شفق کی سُرخی!

اور سرِ راہ یہ املی کے درخت
جن کے سائے میں بہا کرتی ہے خاموش ندی!
اور وہ کھیت — وہ سرسوں کی بہاروں کے بسنتی آنچل،
دور وہ اُودی گھٹاؤں سے نکلتا ہوا چاند،

مقبرہ پر وہ چمکتا ہوا تنہا تارا۔ !!

کتنے رنگوں کا طلسمات ہے یہ دامنِ شام؟
اسی دامن پہ ہر اک قوسِ قزح سجدے کیا کرتی ہے۔ !!
اسی دامن کی فضا ہے، جس میں
اپنے اجداد کے اک عزمِ بغاوت کی جھلک دیکھتا ہوں۔ !!!

(چندن)

بدگمانی

ابر پارے،
تختہائے کوہِ نور،
ڈوبتے سورج کی کرنوں کے لیے آئینے ہیں!

ابر پارے،

آسماں پر نو بہارانِ سلیماں کے خرام!

یا یہ جھولے ہیں کماں

تارہائے سیم و زر سے جن کو زہرہ نے بُنا

اور حوریں گا رہی ہیں جن پہ نغماتِ ارم۔!

کہکشاں کی منزلوں کو چھوڑ کر

یہ توجہ،

یہ تبسّم — سوئے فردوسِ عدن؟

جگمگا اُٹھے گی افسردہ گلوں کی انجمن!

— جیسے پہرہ ہی نہیں، پُھر تقدّس ہی نہیں — قوسِ قزح کے

بابِ ہفت اوراق پر ــ!

اور ایسے میں سرِ بزمِ اُفق
پھر بھی بل کھاتا ہے اُٹھ اُٹھ کر نہ جانے کیوں دھواں!

ــــ دور یہ پرچھائیاں،
گردشیں لیتی ہوئی پگڈنڈیاں
تھک کے آخر سو گئیں!

سُرمئی لہریں ــــ
فضائے نم کے دل کی دھڑکنیں،
وسعتِ میدان و دشت و آبِ جُو پر چھا گئیں!

—— پھر کسی طوفان کے آثار پیدا ہو چلے

ابر پارے منتشر ہونے لگے ۔!!

باغِ جنّت کی بہاروں کی قسم

یہ فضائیں

اور یہ نظارہ ہائے دل نشیں ،

اہرمن کی سحر کاری ہی نہ ہوں ——!!!

(ساقی)

”فاصلے“

بلندیوں کی آرزو بھی کتنی خام تھی؟

اب اس جگہ کھڑا ہوں میں جہاں بلند و پست کچھ نہیں

تعیّناتِ شش جہت بھی کچھ نہیں!

دوامِ کائنات کچھ اگر ہے ـــــ تو ہے فاصلہ،

وہ گھاؤ، جس کو وقت بھی نہ پوری طرح بھر سکا ــ!!

وہی ہے اب بھی دورِ صبح و شام !
اگر وہ مرکزِ حیات اب نہیں رہا تو کیا ہوا —؟

* * *

حیات اب بھی اک کشش ہے — اور کچھ نہیں ! —
کشش ! — جو رنگ و رقص و چنگ کی فضا میں تھی

وہی ہے آج بھی — مگر

وہ رنگ — امتیازِ قوم کا جنون ہے — نہیں تو خون ہے !
وہ شعر — اشتہار ہے !
وہ رقص — اب گداگری کا فنِّ کامیاب ہے !
وہ چنگ — اب بگل ہے جنگ کا ،

—— اگر نہیں! — تو ریل اور مِلوں کی سیٹیوں کا شور ہی!

— حیات ایک چیخ، ایک گونج، اک پکار ہے —!!

مِلوں کی سیٹیوں کا شور؟

یہ ریل گاڑیوں کی گھڑگھڑاہٹیں —!

ابھی وہی ہیں فاصلے —!!

* * *

وہ جنگ کا بگل بجا!

تعیّناتِ شش جہت نہیں رہے —!!

* * *

بلندیوں کی آرزو بھی کتنی خام ہے —!!! (نیا دور)

"گونج"

جو صدیوں سے سوئی ہوئی تھی تہِ برف وہ زندگی جاگ اُٹھی!

وہ برفانی ساحل پگھلنے لگے،

سطح ہموار ہونے لگی

منجمد سینۂ بحر میں سانس کی جنبشیں بھی ہویدا ہوئیں،

لہریں اٹھنے لگیں!

اگرچہ خلا میں بلندی و پستی کا مفہوم ہی کچھ نہیں ہے
ستاروں نے فرسودہ محور کو چھوڑا!
ابھی تک تو محصور تھیں چاندنی کی دل آویزیاں آسماں تک
مگر چاند نے اپنے ہالے کو توڑا !!

وہ لہریں اٹھیں
چاند کو اپنی آغوش میں بھینچ لینے کی دیوانگی جاگ اٹھی!
جنوں خیز ہنگامۂ جزر و مد میں ستاروں کی پرچھائیاں جاگ اٹھیں!

وہ ڈوبا سکوتِ اُفق

اور وفورِ خمارِ مہ و سال سے چور ہوتے ہوئے
تختۂ نارجیلاں میں شب کی حسینہ کی انگڑائیاں جاگ اُٹھیں!

* * *

وہ حسنِ تخیّل کی خوابیدگی جاگ اُٹھی
اُمیدیں،
—— جو حسنِ تخیّل کی خوابیدگی تھیں
نظاروں کی دوشیزگی بن گئیں

اور نظاروں کی برنائیاں جاگ اٹھیں!

تصوّر کی تابندگی جاگ اُٹھی ــــــ!
نگاہوں کی تنہائیاں جاگ اُٹھیں ــــــ!!
سحر کی فضاؤں کی رعنائیاں جاگ اُٹھیں ــــــ!!!

(ادبِ لطیف)

”بادل“

بادل آتے ہیں ، گھٹا چھاتی ہے
آندھی آتی ہے — گذر جاتی ہے سب کو لے کر
اور ہم سوئے زمیں ، سوئے فلک ، سوئے اُفق دیکھتے رہ جاتے ہیں !

یہ ملاقات و وداع

اور یہ تجدیدِ ملاقات و وداعِ آخر!

ــــ ایک زنجیر، کہ جس کی کڑیاں

ٹوٹ جاتی ہیں نئے سلسلے پیدا کر کے

حلقۂ دام میں کچھ اور خرابات بھی لے آتی ہیں۔!!

* * *

انتظار ــــ!

کتنے پیمانِ وفا ٹوٹے ہیں

ایک پیمانِ وفا کی خاطر ــــ؟

اور وہ افسانے، جو پائندہ انجام نہیں ــــ

کتنے افسانوں کا آغاز بنے ——!؟

عرصۂ حشر بھی ماضی و مستقبل ہیں،
کتنے بھولے افسانے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں میں،
جن کو ٹھکرائے ہوئے عرصہ ہوا
آج صف باندھے مرے سامنے میخانوں سے آپہنچے ہیں ——!!

وہ ستارے —— نہ اٹھیں خواب میں نظریں جن پر
آج اس طرح اُتر آئے مرے ساغر میں
جیسے اب ان کی ضرورت نہیں رنگین شبستانوں میں ——!!

یہی ٹوٹے ہوئے ساغر، یہ نجوم

جو مرے ماضی و مستقبل ہیں:
میری بے نام تمنّاؤں کو پہچانتے ہیں! ——
میری تخئیل کو آواز بھی دے سکتے ہیں! ——
اک نئے سلسلۂ شوق کو آغاز بھی دے سکتے ہیں!
—— اور یہ لمحہ، جو بنا بیٹھا ہے سرشارِ مئے ناب، حریفِ دوراں
اس کو اک سلسلۂ شوق کے آغاز پہ انجام بھی دے سکتے ہیں!!

بادل آتے ہیں تو اک تیرگی چھا جاتی ہے

اور چھٹتے ہیں تو یہ تیرگی پرچھائیں کے انداز سے خود میرے ہی
سائے سے گزر جاتی ہے

اور میں دیکھتا رہ جاتا ہوں
اپنے ہی سائے کو، پرچھائیں کو، پیمانے کو !!!

(رفتار)

۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء

اک دماغ

پرورش پاتی رہی جس میں حیاتِ انقلاب

موت کی تاریکیوں میں سو گیا

ور خونی انقلاب

لا نہ پایا اپنی کم ظرفی کی تاب ۔ !

ایک سینہ سینۂ مشرق بھی تھا

رات بھر جس میں نُمو پاتا رہا تھا آفتاب

آج وہ سینہ بھی چھلنی ہو گیا

اور خونی آفتاب

بن گیا ہے سینۂ مشرق کا داغ ۔ !!

(ہمارا ادب، ہنس)

"تنہائی"

کوئی خواہش، کوئی حسرت ہی نہیں
اک سکوت، ایک جمود
چھا گیا وسعتِ احساس کی حد بندی پر!
قبرِ مفلس تو نہیں، پھر بھی شبستانِ وجود

بے نیازِ شبِ تاریک ہے، بیگانۂ تنویرِ سحر-!!

اب بھی اُٹھتی تو ہے ہر منظرِ رنگیں پہ نظر

صرف باقی ہے شعور!

جیسے جذبات میں شدّت ہی نہیں

کسی اقدام کی جرأت ہی نہیں!

ہچکیاں آنے لگیں

رو رہا ہے کوئی احساس کی حد بندی سے دور !!!

(کتاب: ہمایوں)

”ردِّعمل“

ایک آندھی اُٹھی، طوفان آیا ——!
مختلف سمت سے دو جھومتے بادل اُٹھے
جن کے سینوں میں، جواں سینوں میں
سیکڑوں بجلیاں بے چین تھیں —— لیکن خاموش ۔!!

* * *

دونوں بادل بڑی شدت سے ملے

دگرم جوشی تھی مگر سرد نگاہی کی دلیل ،

اک چمک ! ـــــ ایک گرج !

اور پھر کچھ بھی نہیں .

بجلیاں مل تو گئیں آپس میں

ملتے ہی اپنی تڑپ کھو بیٹھیں ـــــ !!

* * *

وہی بادل ہیں ، مگر

ان کے سینوں کی رگیں ـــــ بجلیاں اب مردہ ہیں ،

کوئی جذبہ ، کوئی احساس نہیں !!!

(ساقی)

”کھنڈر“

افق میں گونجنے لگا

سیاہ اور مہیب بادلوں کا ایک کارواں

فضائیں تھیں دھواں دھواں

گرج رہا تھا آسماں

کڑک رہی تھیں بجلیاں !
میں کانپنے لگا۔
نہ دیکھنے ، نہ سوچنے ، نہ فیصلے کا وقت تھا
بس ایک عزم اور ایک حوصلے کا وقت تھا
مگر یہ جسمِ ناتواں !
میں ہانپنے لگا۔

* * *

تھکے تھکے ___ بہت تھکے ہوئے تھے میرے ہات پاؤں
مگر تھی سامنے حسیں تجلّیوں کی چھاؤں
افق سے تھوڑی دور مسکرا رہی تھی زندگی

اور اُس پہ یہ شکستگی — ؟
بس ایک عزم اور ایک حوصلہ کا وقت تھا — !!

* * *

نقابِ صُبح اُٹھ گئی
مہک رہی تھی زندگی کی اک عروسِ نو بہار
دمک رہی تھی دور مشرقی اُفق میں روشنی

لہک رہا تھا سبزہ زار
لچک رہی تھیں آبِ جو کی موج ہائے نغمہ بار
انھیں کے پاس میری اگلی عظمتوں کی یادگار
اک کھنڈر !

اور اس پہ جھوٹی عظمتوں کا اک نشاں
کہ "نیلگوں سمندروں کی چیخ، سُرخ ناگ، ابر کی سفید دھاریاں"
—— کسی کی جھوٹی عظمتوں کا یہ نشاں
کھنڈر پہ توڑتا تھا دم —— کہ لے رہا تھا ہچکیاں —!!

ہوائیں خوشگوار تھیں
مرے لئے!
فضائیں شعلہ بار تھیں،
مرے لئے،
وطن کی اگلی عظمتوں کی یادگار کے لئے ——!!

* * *

سنہرہ آفتاب لمحہ بھر میں سرخ ہو گیا
مہیب وقت ٹل گیا
ہوا کا اک تھپیڑا ___ اور اس میں ایک شعلہ! ___ جھوٹی
عظمتوں کا یہ نشان خود ہی جل گیا!!

* * *

سرود ہائے نو بہار و رقص ہائے دل نواز
___ وہ "گومتی" کا جلترنگ،
لیے نظارہ ہائے نو نے بھی ربابِ چنگ
فضائیں چھیڑنے لگیں حیاتِ نو کا نرم ساز

مگر ــــ!

ابھی اک اور فکر تھی،

ابھی اک اور مسئلہ،

ابھی اک اور مرحلہ، ــــ

ہماری عظمتوں کے دو نئے نشاں !

"خزاں، سفید ابر ــــ اور بہار!"

"یہ سبز جھیل ــــ اور عکسِ ماہِ نو میں قسمتوں کا اک حسین دیوتا"

ہیں اہم کس قدر ہماری عظمتوں کے یہ نئے نشاں

سفید، زرد، سبز، سُرخ اور نیلے رنگ ــــ !!؟

”تموّج“

مری کھڑکی کے شیشہ پر

ابھی تک آخری شبنم کا قطرہ تھرتھراتا ہے

اسی شبنم کا قطرہ ــــ جس نے کلیوں کو نمو بخشی

فضائے انجم و مہتاب کی جس میں صباحت ہے

وہی شبنم کا قطرہ تھرتھراتا ہے مری کھڑکی کے شیشہ پر

* * *

تارے ڈوبتے ہی چاندنی بھی ہوگئی مدھم
مگر وہ ایک تارہ اپنی تنہائی سے بے پروا شمالی وادیوں پر
ٹمٹماتا ہے!

وجودِ رہبرِ اعظم بھی اشکِ کسمپرسی ہے
نظامِ شب نے جس کو سمِ قاتل جان کر بھی پی لیا اور خودکشی کر لی

* * *

شبِ مہتاب کی آنکھوں کا اشکِ آخری شاید وہی تنہا تارہ ہو.
مری کھڑکی کے شیشہ پر جو شبنم بن کے اب بھی تھرتھراتا ہے!

حقیقت کیا ہے یوں تو ایک آنسو کی
مگر سورج کی جب ننھی کرن اس سے گزرتی ہے
تو رنگوں میں سنورتی ہے،
دھنک بن کر نکھرتی ہے!

حقیقت کیا ہے یوں تو سرد اور بے جان آنسو کی
کہ یہ قوسِ قزح کے رنگ سورج کی کرن کے کچھ عناصر ہیں!

* * *

وہ مشرق کے اُفق پر سرخ لہریں تھرتھراتی ہیں
انھیں میں خونِ ماہ و زہرہ و پرویں بھی شامل ہے ــــ!!

Allama Iqbal Library
19225
Jammu & Kashmir University Library
19225

THE JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY.

DATE LOANED

Class No. ۸۹۱[illegible] Book No. ک ۱۲۷ ب

Vol. ______ Copy ______

Accession No. ۱۹۳۳۵

Title [illegible]
Author [illegible]
Accession No. ۱۸۷۲۵
Call No. [illegible]

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date